© rasailojaraid.com

ایران میں چند روز

۳

سعید احمد اکبر آبادی

مشہد میں قیام ۱۶ر مارچ کی دوپہر سے ۲۳ر مارچ کی صبح تک یعنی ایک ہفتہ رہا۔ اور کانفرنس کا آغاز ۱۹ر سے ہوا تھا، اس بنا پر سیر و تفریح اور مناظر بینی (SIGHT SEEING) کے لئے ڈھائی دن تو ہم کو یونہی کانفرنس سے پہلے مل گئے۔ پھر کانفرنس کے دوران میں دو تین دن کا وقفہ اس مقصد کے لئے عموماً ہوتا ہی ہے چنانچہ یہاں بھی تھا۔ علاوہ ازیں روزانہ صبح کے اوقات میں دس بجے تک اور ادھر مغرب کے بعد فراغت رہتی تھی اور ہم میں سے ہر شخص کے پاس مع ڈرائیور کے ایک کار موجود تھی، اس لئے مشہد اور اس کے اطراف واکناف کی دید و زیارت میں کوئی دشواری نہیں تھی اور ہم نے رسمی یا غیر رسمی طور پر ان سہولتوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔

روضہ مقدسہ

اس سلسلہ میں روضہ مقدسہ اور حرم میں بار بار جانا ہوا، تاریخِ اسلام کا یہ ایک نہایت عجیب مگر بڑا دردناک سانحہ ہے کہ جگر گوشہ رسول حضرت امام حسین کی شہادت کبریٰ کے علاوہ چار خلفائے راشدین میں بھی صرف ایک حضرت ابوبکر کی وفات طبعی طور پر ہوئی اور وہ بھی غالباً اس لئے کہ ان کی مدتِ خلافت دو برس ہی تھی، باقی ان کے سوا تینوں خلفا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی شہید ہوئے، اسی طرح شیعہ حضرات کے بارہ اماموں میں سے صرف ایک آخری امام محمد المنتظر المہدی ۲۶۰ھ جن کو امام غائب بھی کہتے ہیں، ان کے علاوہ باقی سب زہر سے شہید ہوئے ہیں، یا خون شہادت سے گلگون قبا! چنانچہ ایک شیعہ روایت بھی ہے "مامنا الا مسموم او مقتول" نظیری نے غالب اسی کا ترجمہ کردیا ہے "کسیکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست"۔

اکثریت بہرحال مسموم ہونے والوں کی ہے اور امام ثامن علی بن موسی الرضا جن کا یہ مقبرہ ہے ان کا شمار بھی انہیں حضرات میں ہے اس سلسلہ میں محتاط مورخین تو آپ کے واقعۂ شہادت کے سبب کو "سرّاسرار" کہکر آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن شیعہ مصنفین کے ہاں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے جب امام کی خدمت میں حاضر ہوکر انگور پیش کئے تھے اور چونکہ یہ مسموم تھے اس بنا پر ان کے نوش فرماتے ہی آپ کی حالت غیر ہوگئی اور اسی سے آپ کی وفات ہوئی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اپنے پیشرو خلفا کے برخلاف مامون کو اہلبیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے غیر معمولی محبت تھی اور اس کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس نے تخت و تاج اور حکومت و سلطنت سب کو داؤں پر چڑھا کر امام علی الرضا کو اپنا ولیعہد منتخب کیا۔ امام عالیمقام کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اپنا سارا وقت ذکر و اذکار اور عبادت و ریاضت میں گذارتے تھے، اس بنا پر وہ اس پر رضامند نہیں تھے لیکن مامون نے سخت اصرار کیا اور آپ کو مرو بلاکر ایک خاص تقریب منعقد کی، جس میں جناب امام رایت سلطانی، امرار و اعیان اور عساکر حکومت سب کے لباس کا رنگ سبز تھا اور وہاں سب نے جناب ممدوح کے ہاتھ پر ولیعہدی کی بیعت کی، اس موقع پر مامون نے جو تقرر نامہ لکھا تھا اس کا پورا متن قلقشندی کی صبح الاعشیٰ ج ۹ میں موجود ہے، مامون نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ اپنی ایک لڑکی ام حبیب بھی آپ کے حبالۂ عقد میں دی اور دوسری لڑکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ام الفضل کا نکاح آپ کے فرزند ارجمند محمد بن علی سے کردیا تھا، جیسا کہ اندیشہ تھا، مامون کو اس اقدام کی قیمت بڑی مہنگی پڑی، بنی عباس میں مامون کی مخالفت کا طوفان امنڈ پڑا اور بغداد میں شورش برپا ہوگئی۔ امام علی الرضا بیعت کے کچھ دنوں بعد طوس تشریف لے آئے اور یہاں ۲۰۳ھ مطابق ۸۱۸ء میں آپ کی وفات ہوگئی۔

اس سلسلہ میں طبری کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چند روز کی علالت کے بعد آپ کی وفات طبعی طور پر ہوئی، لیکن شیعہ اور سنی مورخین کی اکثریت کا بیان ہے کہ زہر کے اثر سے ہوئی اور غالباً صحیح اور قرین قیاس بھی ہے لیکن اس معاملہ میں مامون کو ملوث کرنا بڑی زیادتی ہے اگر وہ انگور یا ایک روایت کے بموجب انار مامون نے ہی پیش کئے تھے اور وہ زہر آلود تھے تو یقیناً مامون کو بھی اس کا علم نہ ہوگا اور اس قسم کے واقعات مٹھائی پان، یا پھل وغیرہ کے مسموم ہونے کے اکثر پیش آتے ہی رہتے ہیں یعقوبی کا بیان ہے کہ علی بن ہشام نامی کسی شخص نے آپ کو انار پیش کئے تھے اور اس سے وفات واقع ہوئی، علاوہ ازیں ایک روایت یہ بھی ہے کہ مامون کے ایک درباری شخص نے عرق انار تیار کیا، تو مامون نے خود اس کو لے لیا اور جناب امام کی خدمت میں پیش کیا، بہرحال جو کچھ بھی ہو، مامون پر کسی قسم کا شبہ کرنا سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے، چنانچہ جب اس کو اس حادثہ کا علم ہوا تو فوراً گھوڑا اڑاتا ہوا طوس پہونچا، نماز جنازہ میں شرکت کی اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں امام صاحب کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

خلیفہ ہارون الرشید کی وفات اور تدفین کا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۳ھ میں خراسان میں بغاوت ہوگئی ہارون اس کو فرو کرنے کی غرض سے خود خراسان پہونچا اور طوس میں پڑاؤ ڈالا، یہاں سخت بیمار ہوگیا، حمید بن قحطبہ الطائی جو دولت بنی عباس کا نامور امیر العسکر تھا اور جو اولاً مہدی اور پھر منصور کے عہد خلافت میں خراسان کا گورنر بھی رہ چکا تھا اس نے طوس میں ایک نہایت وسیع باغ خریدا اور اس میں ایک عالیشان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محل بھی تعمیر کرایا تھا۔ ہارون بیمار ہوا تو علاج معالجہ اور سیر و تفریح کی غرض سے اسی محل میں منتقل ہو گیا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور انتقال کے بعد اسی محل میں سپرد خاک کیا گیا، اللہ اکبر! کیا عبرت کا سماں اور حقیقت و مجاز کے فرق کا کیسا واضح نشان ہے کہ ایک ہی مقبرہ میں ایک طرف ایک درویش نے اقلیم دل و ہیم کی زرنگار قبر ہے جو لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی جبینِ عقیدت وارادت کی سجدہ گاہ ہے اور جس پر درود و سلام کے نذرانوں کا کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری جانب ایک سادہ سی بے نقش و رنگ قبر اپنے عہد کے اس عظیم و جلیل صاحب تخت و کلاہ بادشاہ کی ہے جس کی سطوت و شوکت اور طنطنہ و دبدبہ کے آوازہ سے عالم گونجتا تھا لیکن آج یہ قبر سرتا سر ایک حسرت کا نشان ہے اور اس کے اندر سے آواز آرہی ہے۔

برمزارِ ما غریباں نے چراغ و نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

چنانچہ میں مقبرہ میں کئی مرتبہ گیا اور یہ پتہ ہی نہ چلا کہ ہارون الرشید کی قبر کونسی ہے اور کدھر ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب کبھی گیا تو مقبرہ میں ہجوم اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ اندر داخل ہونا مشکل تھا اور اندر داخل ہو گئے تو اب باہر نکلنا دشوار تھا اسی ریل پیل اور آپا دھاپی میں اتنا ہوش ہی کہاں رہتا تھا کہ کوئی اور قبر تلاش کی جاتی کچھ دنوں کے بعد میں نے ایک شیعہ عالم سے دریافت کیا تو انھوں نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا، ارے! آپ نے قبر دیکھی نہیں وہیں تو ایک کونہ میں ہے، بھولے بسرے اگر کوئی اس پر فاتحہ پڑھنے لگتا ہے تو لوگ منع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "آگے بڑھو"

بہرحال یہ ہے مزار امام ثامن حضرت علی بن موسی الرضا کا اور یہ ہے اس کی ابتدائی تاریخ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کی تاریخ میں جو شیعہ سنی آویزش اور باہم سیاسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کشمکش مع اپنی حشر سامانیوں کے رہی ہے۔ یہ روضۂ مقدسہ بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکا ہے اور اس پر تعمیر و تخریب کے متعدد دور گذرتے رہے ہیں چنانچہ سب سے پہلے دولتِ غزنویہ کے بانی سبکتگین کے عہد میں روضہ کو منہدم کیا گیا لیکن جب سلطان محمود غزنوی تخت نشیں ہوا تو اس کے حکم سے سوری بن معتز نے جو وہاں کا گورنر تھا اس کی ازسرِ نو تعمیر ۴۲۸ھ میں کی اس کے بعد ۵۴۸ھ میں سلطان سنجر کے عہد میں پھر خراسان کے مختلف شہروں میں حرب و ضرب اور قتل و نہب کا بازار گرم ہوا تو روضہ بھی محفوظ نہیں رہ سکا، اس کا گنبد گرادیا گیا اور حرم کی بعض اور عمارتوں کو بھی نقصان پہونچا، یہ واقعہ ۵۵۰ھ کا ہے اس کے چھ برس بعد یعنی ۵۵۶ھ میں سلاجقہ کی طرف سے شرف الدین ابو طاہر جس کا لقب وجیہ الملک تھا اس نے دولتِ سلجوقیہ کے حکم سے گنبد اور حرم کی دوسری عمارتیں جنھیں نقصان پہنچا یا تھا ان کی ازسرِ نو تعمیر کرائی، ۶۱۷ھ میں جب چنگیز خاں اور اس کے بیٹے کے حملہ کا طوفان امنڈا تو اس نے طوس، مشہد اور نیشاپور کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور روضہ کو بھی منہدم کردیا، یہاں تک کہ جب سلطان محمد خدابندہ کی حکومت (از ۷۰۳ھ تا ۷۱۶ھ) قائم ہوئی تو اس کے عہد میں روضہ کی تعمیر ازسرِ نو ہوئی ۹۰۷ھ مطابق ۱۵۰۲ء میں ایران میں اثنا عشری شیعہ حکومت یعنی دولتِ صفویہ قائم ہوئی اور شاہ اسمٰعیل اورنگ نشیں ہوا، لیکن ابتداءً یہ حکومت کچھ زیادہ مضبوط اور طاقتور نہیں تھی، اس بنا پر اطراف واکناف کے اعیان و امرا لوٹ مار مچاتے رہتے تھے اور روضۂ مقدسہ بھی ان کے دستبرد سے محفوظ نہیں تھا چنانچہ اسی زمانہ میں عبدالمومن خاں ازبک نے حملہ کیا، اور روضہ کے گنبد پر جو سونا چڑھا ہوا تھا وہ اور دوسرے ہیرے اور جواہرات جو قطب شاہ دکنی کا ہدیہ تھے وہ سب لوٹ کر لے گیا یہ صورتِ حال ۹۹۶ھ میں شاہ عباس الکبیر کے تخت نشیں ہونے تک قائم رہی لیکن عجیب اتفاق ہے، اب حکومت ایران طاقتور اور مضبوط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی تو شاہ سلیمان صفوی کے عہد (۱۰۷۷ھ تا ۱۱۰۵ھ) میں مشہد میں اس زور کا زلزلہ آیا کہ روضہ کے گنبد میں بہت بڑا انشگاف پڑ گیا اور اس کی دوسری عمارتوں کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ شاہ سلیمان نے ان سب کی از سرِ نو تعمیر کرائی، چنانچہ آج بھی پورے حرم کی عمارتوں میں جس کثرت سے شاہ سلیمان کے نام کے کتبات ہیں کسی اور کے نام کے نہیں ہیں لیکن ۱۲۷۰ھ میں ایک اور آفت نازل ہوئی، اس برس کے ماہ ربیع الثانی کی ۱۰ تاریخ کو روسیوں نے مشہد کو تاخت و تاراج کیا اور روضہ مقدسہ کے گنبد اور اس کی دوسری عمارتوں کو بھی شدید نقصان پہنچا جس کی تلخ اور ناگوار یاد اب تک یہاں کے لوگوں کے دلوں میں تازہ ہے، آخر کار منیر الدولہ سلطان حسین مرزا جو خراسان کا گورنر تھا اس نے ان سب کی از سرِ نو تعمیر کا حکم دیا۔

آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول (۷۳۴ھ) میں ابن بطوطہ یہاں آیا ہے اور اس نے روضہ کو جس حالت میں دیکھا وہ یہ ہے

"جام کے بعد ہم طوس پہونچے اور پھر وہاں سے شہر مشہد الرضا کی طرف نکل گئے، یہ ایک عظیم شہر ہے جس میں پھل اور پانی کثرت سے ہیں، مرقد امام کے اوپر ایک عالی شان گنبد ہے اور اس کے اطراف میں ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہے جس کی دیواریں نقش و نگار سے آراستہ ہیں قبر امام پر ایک صندوق بھی ہے جس کی تمام لکڑیاں چاندی سے ڈھکی ہوئی ہیں امام کی قبر کے بالمقابل ہارون الرشید کی قبر ہے اور گنبد مرقد امام کے اندر چاندی کی بڑی بڑی عالی شان قندیلیں ہیں۔

شاہ سلیمان طہماسپ کے بعد جتنے بھی بادشاہ ہوئے ان کے عہد میں روضۂ مقدسہ میں تعمیر و مرمت یا زیبائش و آرائش کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا ہندوستان میں گولکنڈہ اور بیجاپور کے سلاطین کو بھی اس درگاہ سے بڑی عقیدت تھی اس لئے وہ بھی اس سعادت میں شریک رہے ہیں، روضہ کی مختلف عمارتوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جگہ جگہ کتبات لگے ہوئے ہیں ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس نے کیا حصہ لیا ہے بہر حال ان انقلابات اور تغیر و تبدل کے بعد فنی اور تعمیری حیثیت سے یہ روضہ اور اس کی عمارتیں حسن و جمال، لطافت و نفاست اور صنعت کاری میں دنیا کی نمبر اول کی عمارتوں میں شمار ہونے کی مستحق ہیں اس وقت ان کی جو ہیئت ترکیبی ہے وہ یہ ہے کہ جناب امام کا مزار جو ان عمارات میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے ایک نہایت پُرشکوہ اور عظیم الشان گنبدِ زریں کے نیچے ہے اس مزار کے اردگرد بڑے بڑے ہال، کمرے اور ان کے بعد نہایت وسیع صحن ہیں، شمالی جانب جو بڑا صحن ہے اس کا نام صحنِ عتیق ہے جانب جنوب میں ایک عظیم الشان مسجد ہے جس کو ایرانی فن تعمیر کا شاہکار کہا جاتا ہے، اس مسجد کا نام مسجد گوہر شاد ہے یہ مسجد سنہ ۸۲۱ھ میں مرزا شاہ رخ کی بیوی گوہر شاد خانم نے تعمیر کرائی تھی، اس میں متعدد بڑے بڑے ایوان۔ ہال گنبد اور دو مینارے ہیں علاوہ ازیں جنوب مشرق میں ایک میوزیم ہے جو نو تعمیر کردہ ہے مغرب کی جانب تین مدرسے ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) مدرسہ پریزاد۔ (۲) مدرسہ بالاسر، (۳) اور مدرسۂ دودر،

آستانِ قدس کے ساتھ ایک کتب خانہ اور جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ایک میوزیم بھی ملحق ہیں یہ دونوں چیزیں نہایت رفیع اور قابلِ دید ہیں، کتب خانہ میں عربی فارسی کے مخطوطات کا بڑا اچھا ذخیرہ ہے، جن میں سے بعض نایاب ہیں اور ایک خاصی تعداد ان مخطوطات کی بھی ہے جو خود مصنفین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہاں قرآن مجید کے نہایت عجیب و غریب اور قدیم سے قدیم تر قلمی نسخے سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور ان کی ایک مستقل توضیحی فہرست نہایت اہتمام و انتظام کے ساتھ آستانِ قدس کی طرف سے شائع کر دی گئی ہے جس کی ایک ایک کاپی ہم کو بھی دی گئی تھی، یہاں ایک نسخہ قرآن پر جو کارڈ لگا ہوا ہے بخط علی بن ابی طالب لکھا تھا مجھے اس پر شک ہوا اور الٹ پلٹ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت علی کے ہاتھ کا نہیں بلکہ ۹۳۱ھ کا لکھا ہوا ہے میں نے میوزیم کے انچارج کو اس طرف متوجہ کیا تو انھوں نے اپنی غلطی تسلیم کی اور افسوس ظاہر کر کے رہ گئے۔ بہرحال یہ کتب خانہ ارباب علم و تحقیق کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد محض اس کتب خانہ سے استفادہ کی خاطر یہاں دو مرتبہ پہلے بھی آچکے تھے، یورپ اور عرب ممالک سے محققین آئے دن آتے رہتے ہیں۔

میوزیم میں پرانے زمانے کے ہتھیار، شاہوں اور بیگمات کے لباس برتن، زنجیر، ہیرے جواہرات، سلاطین عالم کی طرف سے گذشتہ صدیوں میں جو تحفے تحائف آستانِ قدس کے لئے وصول ہوتے ہیں ہندوستان کے چند علماء کی ایک تحریر بھی ہے جس میں ریاضی کا کوئی معمہ ہے علاوہ ازیں سلاطین عالم اور مشائخ و علماء کی شبیہیں، تصاویر اور فوٹو بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ حضرت علی اور امام حسن و حسین کی شبیہیں تو خیر ہیں ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ بھی دیوار پر آویزاں ہے اور ستم یہ ہے کہ لوگوں کے ہاں گھر گھر اور دوکانوں پر بطور تبرک موجود ہے اور عام طور پر فروخت بھی ہوتی ہے۔

میں نے بعض علمائے ایران کے سامنے اس پر اپنے سخت ملال کا اظہار کیا لیکن لاحاصل! ایک خندہ زیر لبی کے ساتھ بولے، یہ کوئی واقعی تصویر تھوڑی ہے ایک آرٹسٹ کا پرواز تخیل ہی تو ہے، اس میں کیا ہرج ہے؟ لیجئے:

وہ کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

یہیں آستانِ قدس میں ایک روز ہم لوگوں کی ملاقات شہنشاہ ایران آریہ مہر سے ہوئی چونکہ امسال محرم الحرام اور نوروز (یعنی ایرانی سال کے پہلے مہینہ کی پہلی تاریخ) دونوں ایک ساتھ واقع ہو رہے تھے اس لئے شہنشاہ نے نوروز کی تمام جشن سامانیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتوی کر دی تھیں اور مشہد چلے آئے تھے، یہاں تین دن رہے ۱۲ مارچ کی دوپہر کو ۱۲ بجے کے قریب کا وقت ہم لوگوں کی ملاقات کے لئے طے ہوا، ہم بس ایک وسیع ہال میں جمع ہو گئے، جب ایک خاکی فوجی لباس میں شہنشاہ اپنے عملہ کے ساتھ ہال کے اندر آئے تو ہم سب لائن باندھے کھڑے تھے، شاہ مسکرا مسکرا کر ہر ایک سے پرتپاک طریقہ پر مصافحہ کرتے تھے۔ اس کے ملک کا نام پوچھنے اور خیریت دریافت کرتے تھے شہنشاہ علی گڈھ آ چکے ہیں اور اس سے خوب واقف ہیں، اس لئے میں نے اور اقبال صاحب نے بجائے ہندوستان کے علی گڈھ کا نام لیا، یہ سن کر شاہ اور متوجہ ہوئے، اور پوچھا HOW IS ALIGARH.

عرب و ہند عہدِ رسالت میں

مولفہ: مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

اس کتاب میں مصنف نے عہدِ رسالت میں عربوں اور ہندوستان کے تعلقات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کتاب میں آٹھ بڑے بڑے ابواب قائم کئے ہیں جن میں چند باب پیغمبر اسلام اور ہندوستانی باشندے، عہدِ رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال، اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد، خاص طور سے مطالعہ کے لائق ہیں عرب و ہند کے تجارتی روابط، عرب میں آباد ہندوستانی قوموں اور بستیوں کا ذکر اور دعوتِ اسلام وغیرہ پر تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، قابل مطالعہ کتاب ہے، طباعت، کتابت بہتر، کاغذ عمدہ سفید چکنا سائز متوسط $\frac{20 \times 26}{8}$

قیمت مجلد پانچ روپے

© rasailojaraid.com